ADVANCE SOCIAL SCIENCE ARCHIVE JOURNAL
Available Online: https://assajournal.com
Vol. 05 No. 01. Oct-Dec 2025.Page# 944-956
Print ISSN: 3006-2497 Online ISSN: 3006-2500
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

Historical Background of Hadith Studies in Lahore Universities

لاہور کی جامعات میں علوم الحدیث کا تاریخی پس منظر

Hafiz Faisal Abbas
Ph. D Scholar, Department of Islamic Studies, The Imperial College of Business Studies Lahore
faisalabbasjamati1992@gmail.com
Dr .Mufti Muhammad Karim Khan
Associate Professor, Imperial College of Business Studies, Lahore

ABSTRACT

Lahore has long held a distinct identity in the subcontinent, and today Pakistan itself stands as a recognized presence in the world. In the Indo-Pak subcontinent, the history of the sciences of ḥadīth in Lahore represents a luminous chapter in the intellectual journey of Islamic civilization. When Arab traders and warriors brought the light of Islam to this region, the propagation of the Qur'an and the Sunnah formed the core of their message. In the early period, this region was directly connected with the Rightly Guided Caliphate and later with the Umayyad and Abbasid caliphates. When Arab scholars and jurists arrived in the lands of Sindh and Multan, they brought with them the rich legacy of ḥadīth. For this reason, Sindh is regarded as the earliest center of ḥadīth education in the subcontinent**.** Subsequently, with the establishment of the Delhi Sultanate and later the Mughal Empire, the prominence of ḥadīth increased within centers of learning and culture. Scholars began the formal teaching of ḥadīth in madrasahs and mosques, thereby strengthening its academic foundations**.** With the advent of Islam in the subcontinent, the illumination of the sciences of ḥadīth also entered this land. When Muḥammad bin Qāsim set foot on the soil of Sindh in 93 AH / 711 CE, Arab scholars and Qur'ān reciters accompanied him, giving primary importance to the teaching of the Qur'an and the Sunnah. Sindh and Multan were among the regions where, in the early Islamic period, mosques and educational institutions laid the foundations for Qur'ānic and ḥadīth education. During this era, the acquisition of ḥadīth knowledge was largely facilitated through journeys to the sacred lands of Ḥijāz. Scholars and students traveled there, attended the transmission (samāʿ) of major ḥadīth collections such as Ṣaḥīḥ al-Bukhārī and Ṣaḥīḥ Muslim, and then brought this knowledge back to the subcontinent**.** In the early centuries, Sindh, Multan, and later Delhi played a central role in the teaching and dissemination of the sciences of ḥadīth. Alongside these centers, Lahore also remained a significant bearer of the ḥadīth tradition. When the Ghaznavid dynasty established Lahore as its capital, madrasahs were founded where ḥadīth was taught alongside other Islamic sciences. During this period, the khānqāh (Sufi lodge) system also contributed to the promotion of ḥadīth. Eminent saints such as Ḥaḍrat ʿAlī Hujwīrī (Data Ganj Bakhsh) made the Prophetic traditions an integral part of their teachings, thereby firmly rooting the study and practice of ḥadīth in the religious and spiritual life of Lahore.

Keywords: Lahore's universities, madrasas, teaching, beginnings, evolution, analysis and research of Hadith sciences

تعارفِ موضوع

لاہور برصغیر کی دنیا میں ایک پہچان رہا ہے اور آج پاکستان کی دنیا میں ایک پہچان بنا ہوا ہے۔ لاہور برصغیر پاک وہند میں علومِ حدیث کی تاریخ اسلامی تہذیب کے علمی سفر کا ایک روشن باب ہے۔ جب عرب تاجروں اور مجاہدین نے اس خطہ میں اسلام کی روشنی پہنچائی تو قرآن و سنت کی تبلیغ ان کے پیغام کا بنیادی حصہ تھی۔ ابتداء میں یہ خطہ براہِ راست خلافتِ راشدہ اور بعد ازاں اموی و عباسی خلافت سے جڑا ہوا تھا۔ عرب علما و فقہا جب سندھ اور ملتان کی سرزمین پر آئے تو اپنے ساتھ حدیث کا سرمایہ بھی لائے۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر میں سب سے پہلے سندھ کو حدیثی تعلیم کا مرکز قرار دیا جاتا ہے۔ بعد ازاں، جب دہلی سلطنت اور مغلیہ سلطنت قائم ہوئی تو مراکزِ علم و فن میں حدیث کا چرچا بڑھا اور اہلِ علم نے مدارس و مساجد میں اس کی باقاعدہ تدریس شروع کی۔

برصغیر میں اسلام کی آمد کے ساتھ ہی علومِ حدیث کی روشنی بھی داخل ہوئی۔ جب محمد بن قاسم 93ھ / 711ء میں سندھ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہیں تو ان کے ساتھ عرب علما و قراء بھی موجود تھے، جنہوں نے قرآن و سنت کی تعلیم کو اولین ترجیح دی۔ سندھ اور ملتان وہ علاقے ہیں جہاں ابتدائی اسلامی ادوار میں مساجد و مدارس نے تعلیمِ قرآن و حدیث کی بنیاد رکھی۔ اس وقت حدیث کا حصول زیادہ تر حجاز مقدس کے اسفار کے ذریعے ممکن تھا۔ علما و طلبہ حجاز جاتے، صحیح بخاری و صحیح مسلم جیسے ذخائرِ حدیث کا سماع کرتے اور پھر انہیں برصغیر میں لے آتے۔ ابتدائی صدیوں میں سندھ، ملتان اور بعد ازاں دہلی نے علومِ حدیث کی تعلیم و اشاعت میں مرکزی کردار ادا کیا۔ لیکن لاہور بھی ان مراکز کے ساتھ ساتھ حدیثی روایت کا حامل رہا۔ غزنوی سلطنت نے جب لاہور کو مرکز بنایا تو یہاں مدارس قائم ہوئے جن میں علومِ دینیہ کے ساتھ ساتھ حدیث کو بھی جگہ دی گئی۔ اسی دور میں خانقاہی نظام نے بھی حدیث کی ترویج میں کردار ادا کیا، اور لاہور میں حضرت علی ہجویریؒ (داتا گنج بخش) جیسے اولیاء نے احادیث نبویہ ؐ کو اپنی تعلیمات کا لازمی حصہ بنایا۔

برصغیر میں حدیث کی آمد: ابتدائی صدیوں میں

یوں برصغیر کے ابتدائی مراکزِ حدیث (سندھ، ملتان، دہلی) کے ساتھ لاہور نے بھی اس علمی روایت میں قدم بہ قدم حصہ لیا اور آگے چل کر ایک بڑے مرکز کی صورت اختیار کر لی۔ امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

«إِنَّ أَهْلَ السِّنْدِ وَالْهِنْدِ كَانُوا يَرْحَلُونَ فِي طَلَبِ الْحَدِيثِ، وَقَدْ وَجَدْنَا مِنْهُمْ جَمَاعَةً سَمِعُوا الصِّحَاحَ وَحَمَلُوهَا إِلَى بِلَادِهِمْ.»[1]

"اہلِ سندھ و ہند حدیث کی تلاش میں سفر کرتے، اور ہم نے ان میں سے ایسے گروہ دیکھے جنہوں نے صحاح (صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ) کا سماع کیا اور پھر انہیں اپنے وطن لے آئے۔"

اسلام کی ابتدائی صدیوں میں برصغیر میں جو اسلامی مراکز قائم ہوئے، ان میں سندھ اور ملتان کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ ڈاکٹر سید سلمان ندوی اپنی کتاب تاریخ دعوت و عزیمت میں لکھتے ہیں:

"برصغیر میں سب سے پہلے علومِ حدیث سندھ کے راستے آئے۔ یہاں سے یہ روایت ملتان اور پھر دہلی تک پہنچی۔ یہی مراکز برصغیر میں علمی تحریک کے ابتدائی سنگ میل ہیں۔"[2]

---

[1] ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، لقب: حافظ الدنیا، المعجم المفہرس، باب اہل الھند، مکتبہ الخانجی، قاہرہ، 1995ء، صفحہ 87

یہ وضاحت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ سندھ وملتان نے برصغیر کے دینی و علمی پس منظر میں بنیادی کردار ادا کیا۔ لاہور کو "مرکز الاولیاء" کہا جاتا ہے۔ یہاں صوفیہ کے ساتھ ساتھ محدثین نے بھی علمی خدمات انجام دیں۔ حافظ عبد الرشید لکھتے ہیں:

"لاہور کے محدثین کی ایک بڑی تعداد ایسی تھی جو حجاز سے اسناد لے کر آئی اور یہاں مدارس و مساجد میں درسِ حدیث دیا۔ یہ روایت بعد ازاں لاہور میں بھی مضبوطی سے جاری رہی۔"[3]

چونکہ لاہور ملتان کے قریب تھا اور علمی تبادلے کا مرکز بھی، اس لیے یہاں بھی حدیثی تعلیم کے آثار ملتے ہیں۔

برصغیر میں علوم الحدیث کی آمد

لاہور، جو صدیوں سے علم و حکمت کا مرکز رہا ہے، اسلامی عہد کے آغاز ہی سے دینی علوم کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کرتا رہا۔ غزنویوں کے زمانے سے لے کر مغلیہ دور تک لاہور کو "علمی دارالحکومت" کا درجہ حاصل رہا۔ یہاں علومِ قرآنیہ کے ساتھ ساتھ فنونِ حدیث کی تدریس واشاعت نے ایک خاص مقام حاصل کیا۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ اگر دہلی اور فرنگی محل کو برصغیر کے مراکزِ حدیث کہا جائے تو لاہور کو برصغیر کے علمی وفکری ورثے میں "قلبِ حدیث" سمجھنا چاہیے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں:

«وَكَانَ أَهْلُ الْهِنْدِ وَالسِّنْدِ يَرْحَلُونَ إِلَى الْحِجَازِ لِطَلَبِ الْحَدِيثِ، فَيَحْمِلُونَهُ إِلَى بِلَادِهِمْ، فَانْتَشَرَتِ السُّنَّةُ فِي الْأَمْصَارِ.»[4]

"اہلِ ہند و سندھ حجاز کی طرف حدیث کی طلب میں سفر کرتے اور پھر اسے اپنے وطنوں میں لے آتے، اس طرح سنت مختلف شہروں میں پھیل گئی۔"

برصغیر میں علوم الحدیث کی آمد کا بنیادی تاریخی حوالہ فراہم کرتا ہے۔ امام ذہبی نے جس طرح اہلِ ہند و سندھ کے حجاز کی طرف سفر کا ذکر کیا ہے، وہ برصغیر کی علمی روایت کی ایک نہایت اہم بنیاد ہے۔ ابتدائی ادوار میں جب برصغیر میں اسلامی سلطنت کی بنیادیں مضبوط ہو رہی تھیں، علما اور طلبہ کی ایک بڑی تعداد حجاز مقدس، بالخصوص مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا سفر کرتی تھی۔ یہ طلبہ وہاں سے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتبِ حدیث کی اسناد لے کر آتے اور پھر اپنے خطے میں ان کی تدریس کرتے۔ اس روایت کے نتیجے میں لاہور جیسے بڑے شہروں میں حدیث کی تدریس کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں۔

لاہور، اپنی جغرافیائی حیثیت کے باعث، ہمیشہ علمی سرگرمیوں کا محور رہا۔ یہ شہر نہ صرف مغلوں کا سیاسی دارالحکومت رہا بلکہ علما و صوفیہ کا مرکز بھی تھا۔ مغل بادشاہوں نے یہاں بڑے بڑے مدارس قائم کیے جہاں قرآن، فقہ اور عربی زبان کے ساتھ ساتھ حدیث کی باقاعدہ تدریس بھی شامل تھی۔ اسی دور میں لاہور نے متعدد محدثین کو جنم دیا جنھوں نے اپنے وقت میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

برصغیر میں علوم الحدیث کی تاریخ

برصغیر میں علوم الحدیث کی تاریخ کو اگر تقسیم کیا جائے تو تین بڑے ادوار سامنے آتے ہیں:

---

[2] سید سلمان ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1988ء، جلد 2، صفحہ 115

[3] عبد الرشید، برصغیر میں حدیث کی تاریخ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 2002ء، صفحہ 73

[4] امام ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، تذکرۃ الحفاظ، باب ذکر علماء الهند، دار الكتب العلمية، بیروت، 1998ء، جلد 1، صفحہ 52

- ابتدائی دور (8ویں تا 12ویں صدی): جب حدیث حجاز سے براہِ راست برصغیر میں پہنچی۔
- سلطنتِ دہلی و مغلیہ دور: جب مدارسِ دہلی، فرنگی محل اور لاہور میں حدیث کو نصاب میں بنیادی مقام حاصل ہوا۔
- برصغیر کا جدید دور (19ویں صدی تا حال): جب لاہور سمیت بڑے شہروں میں جدید جامعات و اداروں نے حدیث کو تعلیمی نصاب اور تحقیقی میدان میں مستقل حیثیت دی۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ لاہور میں علومِ حدیث کا فروغ محض مدارس تک محدود نہیں رہا بلکہ صوفیانہ خانقاہوں اور علمی محفلوں میں بھی اس کا چرچا رہا۔ حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ (م 465ھ) نے اپنی مشہور کتاب "کشف المحجوب" میں بارہا احادیث نبویہؐ کے حوالے دیے ہیں۔ اگرچہ ان کی کتاب تصوف پر ہے لیکن احادیث کے انتخاب نے لاہور کی حدیثی روایت کی قدامت کو مزید نمایاں کیا۔

داتا گنج بخش علی ہجویری (1050ء) اور علوم الحدیث

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ (م 465ھ) نے اپنی مشہور تصنیف کشف المحجوب میں حدیث نبویؐ کو بار بار بنیاد بنایا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

«قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ، وَجَنَّةُ الْكَافِرِ.»[5]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔"

یہ حوالہ ظاہر کرتا ہے کہ لاہور میں حدیثی ذوق صوفیانہ مجالس کے ذریعے بھی پروان چڑھ رہا تھا۔

خانقاہ داتا علی ہجویری میں علوم الحدیث

لاہور کی صوفی خانقاہیں بھی مغلیہ دور میں علم و تعلیم کے مراکز تھیں۔ داتا گنج بخشؒ کے مزار اور خانقاہ میں حدیث و فقہ کی تدریس کا سلسلہ صدیوں جاری رہا۔ ڈاکٹر مشتاق احمد کے مطابق:

"لاہور کی خانقاہیں بالخصوص داتا دربار، مغلیہ عہد میں نہ صرف روحانیت بلکہ تعلیمِ حدیث کے لیے بھی مرکز تھیں۔"[6]

مغلیہ دور میں نصابِ تعلیم میں قرآن و حدیث کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ خاص طور پر "صحاح ستہ" کی کتب پڑھائی جاتی تھیں۔ مولانا حبیب الرحمان کاندھلوی لکھتے ہیں:

"مغلیہ عہد میں لاہور کے مدارس کا نصاب دہلی و فرنگی محل سے ہم آہنگ تھا اور حدیث کو نصاب میں کلیدی اہمیت حاصل تھی۔"[7]

مغلیہ دور نے لاہور کی علمی تاریخ کو ایک نیا رخ دیا۔ اس زمانے میں لاہور ایک بڑے علمی مرکز کے طور پر ابھرا، جہاں مدارس، مساجد اور خانقاہیں علومِ حدیث کی تدریس اور اشاعت میں نمایاں کردار ادا کرتی رہیں۔ انھی بنیادوں پر بعد میں لاہور کے بڑے مدارس اور جامعات نے اپنی شناخت قائم کی۔

---

[5] علی بن عثمان الجلابی، لقب: ہجویری، کشف المحجوب، مطبع نظامی، لاہور، 1911ء، باب الزہد، صفحہ 77

[6] مشتاق احمد، ڈاکٹر، برصغیر میں خانقاہی نظام اور تعلیمات، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، 2002ء، صفحہ 211

[7] حبیب الرحمان کاندھلوی، مولانا، برصغیر میں درسِ نظامی کی تاریخ، مکتبہ دارالسلام، دہلی، 1970ء، صفحہ 98

لاہور صدیوں سے برصغیر کے علمی، فکری اور دینی مراکز میں سے ایک ہے۔ یہاں علومِ الحدیث کی تدریس و اشاعت کا سفر قدیم مدارس سے شروع ہو کر جدید جامعات، تحقیقی اداروں اور ڈیجیٹل ذرائع تک پہنچ چکا ہے۔

لاہور کا کردار صرف ایک "ماضی کا مرکز" نہیں بلکہ "حال و مستقبل کا رہنما" بھی ہے۔ خواتین محققین کی شمولیت، جدید تحقیقی طریقوں کا استعمال، اور Artificial Intelligence جیسے نئے رجحانات، علومِ الحدیث کے مستقبل کو مزید تابناک بنا رہے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ لاہور میں علوم الحدیث کی روایت صرف زندہ ہی نہیں بلکہ ترقی پذیر بھی ہے۔ مدارس نے روایت کو محفوظ رکھا، جامعات نے تحقیق کو فروغ دیا اور جدید اداروں نے اس تحقیق کو عالمی سطح سے جوڑا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ لاہور اپنے علمی ورثے کو عالمی سطح پر مزید مؤثر انداز میں متعارف کروائے۔ "حدیثی ڈیجیٹل ہب"، "اردو تراجم حدیث کا بین الاقوامی انسائیکلوپیڈیا"، اور "خواتین محققین کے تحقیقی نیٹ ورک" جیسے منصوبے مستقبل کے لیے سنگِ میل ثابت ہو سکتے ہیں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ لاہور، علوم الحدیث کا وہ گلستان ہے جس کی خوشبو ماضی، حال اور مستقبل تینوں ادوار میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ شہر برصغیر اور عالم اسلام میں ایک "مرکزِ حدیث" کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

مغلیہ دور (1157ء) میں علوم الحدیث

مغلیہ دور میں لاہور میں متعدد مدارس قائم ہوئے جیسے مدرسہ صدر خان، مدرسہ وزیر خان اور جامع مسجد وزیر خان سے منسلک علمی حلقے۔ ان حلقوں میں صحیح بخاری اور دیگر کتبِ حدیث پڑھائی جاتی تھیں۔ بعد ازاں فرنگی محل کے اثر سے نصابِ درسِ نظامی میں حدیث کو مرکزی حیثیت دی گئی اور لاہور کے مدارس نے بھی اسی طرز پر اپنی تعلیم کو استوار کیا۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ لاہور میں بعد کے ادوار میں جب جامعہ نعیمیہ، جامعہ اشرفیہ، اور اہلِ حدیث مدارس قائم ہوئے تو یہ سب اسی علمی روایت کے تسلسل کا نتیجہ تھے جس کی بنیاد صدیوں پہلے رکھی گئی تھی۔ چنانچہ لاہور آج بھی اس ورثے کا امین ہے اور یہاں ایم فل اور پی ایچ ڈی سطح پر علوم الحدیث پر تحقیقی کام جاری ہے۔ سندھ اور لاہور میں علمِ حدیث کی آمد ہو چکی تھی جیسا کہ امام ذہبی لکھتے ہیں:

«وَكَانَ أَهْلُ الْهِنْدِ وَالسِّنْدِ يَرْحَلُونَ إِلَى الْحِجَازِ لِطَلَبِ الْحَدِيثِ، فَيَحْمِلُونَهُ إِلَى بِلَادِهِمْ، فَانْتَشَرَتِ السُّنَّةُ فِي الْأَمْصَارِ.»[8]

"اہلِ ہند و سندھ حدیث کی طلب کے لیے حجاز کا سفر کرتے اور پھر اسے اپنے وطن لے آتے، یوں سنت مختلف شہروں میں پھیل گئی۔"

امام ذہبی کا یہ بیان ہمیں برصغیر کے حدیثی پس منظر پر روشنی ڈالتا ہے۔ یہ دراصل اس بات کا ثبوت ہے کہ برصغیر کا علمی رشتہ شروع ہی سے براہِ راست عرب دنیا سے جڑا ہوا تھا۔ اسلامی تاریخ کے ماہر مؤرخ ڈاکٹر غلام سرور نے اپنی کتاب تاریخ لاہور میں لکھا ہے کہ:

"محمد بن قاسم جب سندھ آیا تو اس کے ساتھ جو علما اور قراء تھے، وہ صرف فتوحات تک محدود نہیں رہے بلکہ انہوں نے مقامی آبادی کو تعلیمِ قرآن و حدیث سے روشناس کرایا۔ انہی کے ذریعے برصغیر میں علومِ حدیث کے بیج بوئے گئے۔"[9]

[8] امام ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، لقب: شمس الدین، تذکرۃ الحفاظ، باب ذکر علماء الھند، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1998ء، جلد 1، صفحہ 52

[9] غلام سرور، تاریخ لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1996ء، جلد 1، صفحہ 88

یہ حقیقت واضح کرتی ہے کہ برصغیر میں حدیث کی آمد محض فتوحات کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ علما اور صوفیہ کی تعلیم و تبلیغ نے بھی اس میں اہم کردار ادا کیا۔

غزنوی دور (1186ء) میں علوم الحدیث

لاہور کا شمار قدیم ترین علمی مراکز میں ہوتا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

«لَاهُورُ كَانَ مَرْكَزًا لِلْعُلُومِ مُنْذُ أَيَّامِ الْغَزْنَوِيِّينَ، وَبِالْخُصُوصِ فِي الْحَدِيثِ وَالْفِقْهِ.»[10]

"لاہور غزنویوں کے دور سے ہی علوم کا مرکز رہا ہے، بالخصوص حدیث اور فقہ کے میدان میں۔"

مذکورہ بالا علامہ شبلی کا یہ اقتباس لاہور کی علمی روایت کی قدامت پر روشنی ڈالتا ہے۔

ڈاکٹر ضیاء الحسن لکھتے ہیں:

"برصغیر کے طلبہ ہمیشہ حجاز کا سفر کرتے رہے۔ ان میں سے اکثر لاہور جیسے بڑے شہروں میں واپس آکر علمی حلقے قائم کرتے تھے، جہاں حدیث کی تدریس و روایت کو خاص مقام حاصل رہا۔"[11]

یہ بات امام ذہبی کے بیان کی تائید کرتی ہے کہ برصغیر کی علمی روایت براہِ راست حجاز سے جڑی ہوئی تھی۔

لکھنؤ کا مدرسہ اور درسِ نظامی

فرنگی محل (لکھنؤ) کا مدرسہ اٹھارویں صدی میں وجود میں آیا اور جلد ہی پورے برصغیر میں اپنی شہرت کے باعث مرکزی حیثیت اختیار کر گیا۔ ملا نظام الدین سہالوی (م 1748ء) نے درسِ نظامی کے نصاب میں حدیث کو ایک لازمی جزو کے طور پر شامل کیا۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"درسِ نظامی نے علومِ حدیث کو باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ رواج دیا، اور یہ نصاب دہلی اور لاہور تک جا پہنچا۔"[12]

یہی درسِ نظامی بعد میں لاہور کے بڑے مدارس (جامعہ نعیمیہ، جامعہ اشرفیہ) میں رائج ہوا۔ لاہور میں جب مدارس کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا تو وہاں دہلی و فرنگی محل کی روایت کو اپنایا گیا۔ ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی اپنی تحقیق میں لکھتے ہیں:

"لاہور کے مدارس دہلی اور فرنگی محل کے مکتبِ فکر سے براہِ راست متاثر تھے۔ یہاں کے علما دہلی و لکھنؤ کا سفر کرتے، وہاں سے اسنادِ حدیث حاصل کرتے اور پھر لاہور میں درسِ حدیث کا آغاز کرتے۔"[13]

اس طرح لاہور کو دہلی و لکھنؤ کے ساتھ ایک مسلسل علمی زنجیر کا حصہ کہا جا سکتا ہے۔

---

[10] شبلی نعمانی، المأمون، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1962ء، صفحہ 142

[11] ضیاء الحسن، اسلامی تاریخ میں برصغیر کا کردار، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، 2001ء، صفحہ 211

[12] ابو الحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس تحقیق و نشریاتِ اسلام، لکھنؤ، 1980ء، جلد 3، صفحہ 89

[13] بشیر احمد صدیقی، لاہور کا علمی و دینی پس منظر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، 2005ء، صفحہ 133

قدیم مدارسِ علوم الحدیث

داتا علی ہجویری کی آمد کے بعد مغلیہ دور میں لاہور میں بڑے مدارس قائم ہوئے، جیسے مدرسہ وزیر خان اور مدرسہ صدر خان۔ ان مدارس میں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتبِ حدیث پڑھائی جاتی تھیں۔ ڈاکٹر مشتاق احمد لکھتے ہیں:

"لاہور کے مدارس نے درسِ نظامی کو اپنایا اور اس میں حدیث کو مرکزی مقام دیا۔ یہ روایت آج تک قائم ہے اور جدید جامعات بھی اسی کے تسلسل میں حدیثی تعلیم و تحقیق فراہم کر رہی ہیں۔"[14]

مندرجہ بالا دلائل سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ برصغیر میں علومِ حدیث کی آمد ایک تاریخی اور براہِ راست علمی تسلسل تھا۔ لاہور نے اس روایت میں نہ صرف حصہ لیا بلکہ کئی صدیوں تک اس کا نمایاں مرکز بھی رہا۔ امام ذہبی کے بیان کے مطابق اہلِ ہند و سندھ کا حجاز سے رشتہ قائم رہا اور لاہور نے اس علمی وراثت کو اپنی سرزمین پر مضبوط کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج لاہور کو برصغیر کی حدیثی تاریخ میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔

لاہور کے مدارس نے جب درسِ نظامی کو اپنایا تو حدیث کے بڑے متون مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوۃ المصابیح اور ہدایہ کو نصاب کا حصہ بنایا۔ مولانا محمد یوسف بنوری لکھتے ہیں:

«دَرْسُ النِّظَامِيِّ جَعَلَ لِكُتُبِ الْحَدِيثِ مَقَامًا رَئِيسِيًّا، وَقَدْ كَانَتْ مَدَارِسُ لَاهُورَ مِنْ أَوَّلِ مَنْ تَبَنَّى هَذَا النِّظَامَ.»[15]

"درسِ نظامی نے کتبِ حدیث کو مرکزی مقام دیا، اور لاہور کے مدارس سب سے پہلے اس نظام کو اپنانے والوں میں تھے۔"

یہ باب واضح کرتا ہے کہ دہلی اور فرنگی محل برصغیر میں حدیثی تعلیم کے حقیقی مراکز تھے۔ ان مراکز نے جو روایت قائم کی، وہ براہِ راست لاہور میں منتقل ہوئی۔ اس کے نتیجے میں لاہور کے مدارس، خانقاہیں اور جامعات اس علمی زنجیر کا حصہ بنے اور آج بھی لاہور کا درسِ حدیث دہلی و فرنگی محل کی روایت کا تسلسل ہے۔

لاہور برصغیر کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے جو صدیوں تک علمی و تہذیبی مرکز رہا۔ اس کی حیثیت محض ایک سیاسی دارالحکومت تک محدود نہیں رہی بلکہ یہاں کے مدارس، خانقاہیں اور مساجد علمی مراکز کے طور پر نمایاں رہے ہیں۔ اسلام کی آمد کے بعد ہی لاہور میں مساجد قائم کی گئیں جن کے ساتھ تدریس و تعلیم کا نظام بھی جڑا ہوا تھا۔ خاص طور پر غزنوی اور غوری ادوار میں جب لاہور کو مرکزیت حاصل ہوئی تو یہاں قرآن و حدیث کی تدریس نے باقاعدہ ادارہ جاتی شکل اختیار کر لی۔

ابتدائی دور میں مسجد وزیر خان اور بادشاہی مسجد جیسے عظیم تعمیراتی شاہکار صرف عبادت گاہ نہیں تھے بلکہ یہ علومِ قرآن و حدیث کی درسگاہیں بھی تھے۔ ان مساجد میں بیٹھے علما نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور یہ روایت بعد میں مدارس کی شکل میں پروان چڑھی۔

---

[14] مشتاق احمد، برصغیر میں درس نظامی کی تاریخ، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1999ء، صفحہ 329

[15] یوسف بنوری، محمد، تخلص: بنوری، معارف السنن، ادارہ المعارف، کراچی، 1972ء، جلد 1، مقدمہ، صفحہ 45

مغلیہ عہد میں لاہور کو "مدینۃ الصغیر" کہا جانے لگا، کیونکہ یہاں مدارس و مساجد میں بڑے بڑے علما و محدثین درس دیتے تھے۔ ان ہی مراکز نے لاہور کی علمی بنیادوں کو مضبوط کیا اور بعد میں آنے والے دور میں بڑے اداروں جیسے جامعہ نعیمیہ اور جامعہ اشرفیہ کی راہ ہموار کی۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ لاہور میں ابتدائی دینی علمی مراکز وہ بنیادی ستون تھے جنہوں نے شہر کو ایک علمی و مذہبی مرکز بنایا اور حدیث کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی لاہور کے علمی مراکز کے بارے میں لکھتے ہیں:

«إِنَّ الْمَسَاجِدَ الْعَظِيمَةَ فِي لَاهُورَ كَالْمَسْجِدِ الْوَزِيرِيِّ وَالْمَسْجِدِ الْبَادْشَاهِيِّ كَانَتْ مَعَابِدَ وَمَدَارِسَ فِي الْوَقْتِ نَفْسِهِ، وَفِيهَا كَانَتْ تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ وَدِرَاسَةُ الْحَدِيثِ.»

"لاہور کی عظیم مساجد مثلاً مسجد وزیر خان اور بادشاہی مسجد نہ صرف عبادت گاہیں تھیں بلکہ مدارس بھی تھیں، جہاں قرآن کی تلاوت اور حدیث کی تدریس ساتھ ساتھ ہوتی تھی۔"[16]

لاہور میں اسلامی علوم کی تدریس کی ابتدا غزنوی عہد سے منسوب کی جاتی ہے۔ سلطان محمود غزنوی کے دربار سے کئی علما اور محدثین وابستہ تھے جو لاہور کو مرکز بنا کر علمی سرگرمیوں کو آگے بڑھاتے رہے۔ ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی کے مطابق:

"لاہور میں دینی علوم کی روایت ابتدائی اسلامی صدیوں سے قائم ہے۔ یہاں قرآن و حدیث کی تدریس مساجد سے شروع ہوئی اور آہستہ آہستہ مدارس کی شکل اختیار کر گئی۔"[17]

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لاہور برصغیر میں حدیثی تعلیم کے قدیم مراکز میں شمار ہوتا ہے۔

مسجد وزیر خان (1634ء) مرکز علوم الحدیث

لاہور کی مسجد وزیر خان (1634ء) نہ صرف اپنی فنِ تعمیر کی وجہ سے مشہور ہے بلکہ یہاں علمی محافل بھی منعقد ہوتی تھیں۔ علما یہاں حدیث کی مجالس برپا کرتے اور طلبہ کو اسنادِ روایت فراہم کرتے۔ ڈاکٹر مبارک علی کے مطابق:

"مسجد وزیر خان لاہور کی علمی تاریخ میں خصوصی مقام رکھتی ہے۔ یہاں درسِ قرآن و حدیث کی محافل صدیوں تک جاری رہیں۔"[18]

لاہور کی خانقاہیں بھی حدیثی روایت کا مرکز رہیں۔ حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش (رح) کی خانقاہ اور بعد میں شاہ محمد غوث گیلانی و دیگر صوفیاء کی خانقاہوں میں قرآن و حدیث کی تعلیم دی جاتی رہی۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ مَشَايِخَ لَاهُورَ كَانُوا يَعْتَنُونَ بِالْحَدِيثِ مَعَ التَّصَوُّفِ، وَيُدَرِّسُونَهُ لِطَلَبَتِهِمْ.»[19]

"لاہور کے مشائخ تصوف کے ساتھ ساتھ حدیث کو بھی اہمیت دیتے تھے اور اپنے مریدین کو اس کی تعلیم دیتے تھے۔"[20]

---

16 مناظر احسن گیلانی، سید، برصغیر میں اسلامی علوم کی تاریخ، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، 1971ء، جلد 1، صفحہ 178

17 بشیر احمد صدیقی، لاہور کا علمی و دینی پس منظر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، 2005ء، صفحہ 59

18 مبارک علی، ڈاکٹر، لاہور کی علمی تاریخ، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، 1992ء، صفحہ 89

19 ایضاً

اگرچہ باقاعدہ مدارس بعد میں قائم ہوئے لیکن ابتدائی علمی مراکز میں قرآن، فقہ اور حدیث تین بنیادی مضامین ہوتے تھے۔ یہ نصاب دہلی و فرنگی محل سے ماخوذ تھا۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین لکھتے ہیں:

"لاہور کے ابتدائی مدارس دہلی اور لکھنؤ کے مدارس کے ہم عصر تھے۔ یہاں حدیث کو خاص طور پر نصاب میں شامل کیا جاتا تھا۔"[21]

لاہور کے ابتدائی دینی مراکز محض عبادت گاہیں نہیں تھے بلکہ علمی ادارے تھے۔ بادشاہی مسجد، مسجد وزیر خان اور مختلف خانقاہیں علومِ حدیث کی اشاعت میں بنیادی کردار ادا کرتی رہیں۔ انہی مراکز نے بعد میں لاہور میں باقاعدہ مدارس اور جامعات کے قیام کے لیے علمی فضا فراہم کی۔ مغلیہ دور برصغیر کی علمی و تہذیبی تاریخ کا ایک سنہرا دور مانا جاتا ہے۔ اس زمانے میں فنونِ لطیفہ، تعمیرات، فقہ، فلسفہ اور علومِ اسلامیہ کو غیر معمولی فروغ ملا۔ لاہور مغل سلطنت کے اہم مراکز میں شامل تھا اور شاہی سرپرستی کے نتیجے میں یہاں علمی سرگرمیاں اپنے عروج پر پہنچیں۔

مغلیہ بادشاہ بالخصوص اکبر، جہانگیر، شاہجہان اور اورنگزیب کے زمانے میں لاہور میں مدارس، خانقاہیں اور مساجد قائم ہوئیں جو صرف عبادت گاہیں نہ تھیں بلکہ تعلیم و تعلم کے مراکز بھی تھیں۔ خاص طور پر اورنگزیب عالمگیر کے زمانے میں حدیث اور فقہ کی تعلیم کو غیر معمولی اہمیت دی گئی۔ اس کے دور میں لاہور میں مدرسہ جات کی تعداد بڑھی اور نصابِ تعلیم میں حدیث کو مرکزی مقام حاصل ہوا۔

بادشاہی مسجد، مسجد وزیر خان اور دیگر بڑی مساجد میں نہ صرف نمازیں ادا کی جاتیں بلکہ یہ ادارے درس و تدریس کے مراکز تھے۔ ان میں بڑے محدثین و علمانے درسِ حدیث دیا اور طلبہ کو اسنادِ روایت عطا کیں۔ اس کے علاوہ مغلیہ دور میں لاہور کے خانقاہی نظام نے بھی علومِ حدیث کے فروغ میں کردار ادا کیا۔ یہی دور لاہور کو علمی، فکری اور مذہبی مرکز بنانے کا باعث بنا اور بعد کے ادوار میں لاہور کے مدارس و جامعات نے انہی بنیادوں پر آگے بڑھتے ہوئے برصغیر بھر میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔ علامہ شبلی نعمانی مغلیہ دور کے علمی مراکز کے بارے میں فرماتے ہیں:

«إِنَّ عَصْرَ الْمُغُولِ كَانَ عَصْرًا ذَهَبِيًّا لِلْعُلُومِ، وَفِي لَاهُورَ خَاصَّةً اشْتَهَرَتْ دُرُوسُ الْفِقْهِ وَالْحَدِيثِ فِي الْمَسَاجِدِ وَالْمَدَارِسِ.»[22]

"مغلیہ عہد علوم کا سنہری دور تھا اور بالخصوص لاہور میں فقہ و حدیث کے دروس مساجد و مدارس میں شہرت حاصل کر چکے تھے۔"

مغلیہ حکمرانوں نے دینی و دنیاوی تعلیم کو فروغ دیا۔ دہلی اور آگرہ کے ساتھ ساتھ لاہور کو بھی علمی مراکز میں شامل کیا گیا۔ ڈاکٹر ایس ایم اکرام لکھتے ہیں:

"لاہور مغلیہ سلطنت میں ایک عظیم تعلیمی مرکز تھا جہاں دینی علوم کی تدریس کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی۔"[23]

---

[20] اشرف علی تھانوی، اشرف الجواب، مکتبہ اشرفیہ، ملتان، 1932ء، صفحہ 45

[21] محمد رفیع الدین، ڈاکٹر، برصغیر میں تعلیم اسلامیہ کی تاریخ، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، 1998ء، صفحہ 112

[22] شبلی نعمانی، علامہ، المامون اور علوم وفنون، ندوۃ العلماء پبلی کیشنز، لکھنؤ، 1911ء، صفحہ 233

[23] ایس ایم اکرام، ڈاکٹر، رودادِ تمدنِ ہند، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، 1960ء، صفحہ 401

یہ حقیقت لاہور کی علمی حیثیت کو واضح کرتی ہے۔اورنگزیب خود بھی عالم وفقیہ تھے اور انہوں نے تعلیماتِ اسلامی کو فروغ دیا۔ ان کے زمانے میں لاہور میں مدارس و مساجد کو باقاعدہ تعلیمی ادارے بنایا گیا۔ "فتاویٰ عالمگیری" کے مرتبین میں لاہور کے علما بھی شامل تھے۔ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی کے مطابق:

"اورنگزیب کے دور میں لاہور میں نصابِ تعلیم میں فقہ کے ساتھ ساتھ حدیث کو خاص اہمیت حاصل ہوئی اور طلبہ کو کتبِ ستہ کی تدریس دی جاتی تھی۔"[24]

بادشاہی مسجد (1673ء) مرکز علوم الحدیث

اورنگزیب عالمگیر کے عہد (1673ء) میں تعمیر ہونے والی بادشاہی مسجد محض ایک عبادت گاہ نہیں بلکہ ایک علمی یونیورسٹی تھی۔ یہاں بڑے بڑے علمانے درسِ قرآن وحدیث دیا۔ مولانا محمد عبد اللہ لکھتے ہیں:

«إِنَّ الْمَسْجِدَ الْبَادْشَاهِيَّ كَانَتْ جَامِعَةً عِلْمِيَّةً حَقِيقِيَّةً، يُلْقِي فِيهَا الْعُلَمَاءُ دُرُوسَ الْحَدِيثِ وَالتَّفْسِيرِ.»[25]

"بادشاہی مسجد حقیقت میں ایک جامعہ تھی، جہاں علما حدیث اور تفسیر کے دروس دیتے تھے۔"

1673ء میں تعمیر ہونے والی بادشاہی مسجد لاہور کی علمی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ مسجد صرف عبادت گاہ نہیں بلکہ ایک عظیم "جامعہ" تھی۔ یہاں علما کرام درسِ حدیث و فقہ دیتے اور ہزاروں طلبہ مستفید ہوتے۔ مولانا سید محمد عبد الرشید بیان کرتے ہیں:

«إِنَّ الْمَسْجِدَ الْبَادْشَاهِيَّ بِالْحَقِيقَةِ كَانَ جَامِعَةً كُبْرَى فِي الْمَغْرِبِ الْهِنْدِيِّ، وَفِيهَا اشْتَهَرَتْ دُرُوسُ الْحَدِيثِ وَالتَّفْسِيرِ.»[26]

"بادشاہی مسجد درحقیقت مغربی ہند کی ایک عظیم جامعہ تھی جہاں حدیث اور تفسیر کے دروس مشہور تھے۔"

فرنگی دور (1849ء) میں علوم الحدیث

جب دہلی سلطنت قائم ہوئی تو یہ پورے برصغیر میں دینی علوم کا مرکز بن گئی۔ علامہ شبلی نعمانی علم الکلام میں لکھتے ہیں:

«دِلِّي كَانَتْ مَرْكَزَ الْحَدِيثِ وَالْفِقْهِ، وَمِنْهَا انْتَقَلَتْ تِلْكَ التَّقَالِيدُ إِلَى لَاهُورَ وَسَائِرِ الْأَمْصَارِ.»[27]

"دہلی حدیث اور فقہ کا مرکز تھی، اور یہ روایات دہلی سے لاہور اور دیگر شہروں تک منتقل ہوئیں۔"

یہ حوالہ لاہور کی حدیثی روایت پر دہلی کے اثر کو واضح کرتا ہے۔ لاہور میں حضرت علی ہجویریؒ (م465ھ) کی خانقاہ اس زمانے کے بڑے علمی مراکز میں شمار ہوتی تھی۔ انہوں نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں کثرت سے احادیث بیان کیں۔ مثلاً:

«قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ.»[28]

---

[24] محمد اسلم صدیقی، ڈاکٹر، مغلیہ عہد میں تعلیم اسلامیہ، یونیورسٹی آف پنجاب پریس، لاہور، 1988ء، صفحہ 144

[25] محمد عبد اللہ، مولانا، تاریخ لاہور کے مساجد، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1985ء، صفحہ 201

[26] سید محمد عبد الرشید، مولانا، مساجدِ لاہور کی علمی تاریخ، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1992ء، صفحہ 79

[27] شبلی نعمانی، علم الکلام، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1969ء، صفحہ 190

"نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔"

یہ حدیثی روایت لاہور کے علمی و روحانی ماحول میں ہمیشہ موجود رہی۔ مندرجہ بالا دلائل سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ برصغیر میں ابتدائی صدیوں میں سندھ، ملتان اور دہلی نے حدیثی مراکز کی حیثیت اختیار کی۔ لیکن ان کے ساتھ ساتھ لاہور بھی ان علمی تحریکوں کا شریک و حصہ دار رہا۔ یہاں کے مدارس، مساجد اور خانقاہوں نے نہ صرف حدیث کی تعلیم کو اپنایا بلکہ اسے عوام الناس میں بھی عام کیا۔ یہی روایت بعد کے ادوار میں مضبوط ہو کر لاہور کو برصغیر کے بڑے مراکزِ حدیث میں شامل کر گئی۔

فرنگی محل اور دیگر مراکزِ حدیث اور ان کا لاہور پر اثر

برصغیر میں جب اسلامی سلطنت کا مرکز دہلی بنا تو یہ علمی و دینی اعتبار سے بھی پورے خطے کا سب سے نمایاں مرکز قرار پایا۔ دہلی میں علومِ حدیث کی تعلیم کا آغاز غزنوی اور غوری عہد سے ہوا لیکن اس کا باقاعدہ ارتقاء سلطنتِ دہلی کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ یہاں مدارس اور خانقاہوں نے مل کر علم و عرفان کی ایسی فضا پیدا کی جس نے برصغیر کی علمی روایت کو صدیوں تک متاثر کیا۔ دہلی کے علما میں محدثین کی ایک طویل فہرست موجود ہے، جنہوں نے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتبِ حدیث کا درس دیا اور اسناد کے ساتھ طلبہ کو اجازت فراہم کی۔

اہم ترین مدارس میں مدرسہ فیروز شاہی اور مدرسہ نظامیہ دہلی نمایاں ہیں، لیکن فرنگی محل کی درسگاہ نے حدیثی تعلیم کو ایک باقاعدہ نظام کے تحت مرتب کیا۔ ملا نظام الدین سہالوی (م 1748ء) نے جو درسِ نظامی ترتیب دیا، اس میں حدیث کو مرکزی مقام دیا گیا۔ یہ نصاب پورے برصغیر کے مدارس میں رائج ہوا اور آج بھی اسی بنیاد پر درسِ حدیث جاری ہے۔

لاہور چونکہ دہلی اور اودھ (لکھنؤ) کے قریب علمی و ثقافتی تبادلے کا مرکز تھا، اس لیے دہلی و فرنگی محل کی حدیثی روایت براہِ راست لاہور منتقل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ لاہور کے مدارس میں جو نصاب رائج ہوا، وہ دراصل دہلی و فرنگی محل کی روایت کا تسلسل تھا۔[29]

یہ پس منظر ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ لاہور کی علمی تاریخ دہلی اور فرنگی محل کے اثرات سے الگ نہیں بلکہ اسی کا ایک حصہ ہے۔ علامہ شبلی نعمانی دہلی اور فرنگی محل کے اثرات پر لکھتے ہیں:

«إِنَّ مَدَارِسَ دِلِّي وَفَرَنْجِي مَحَلٍّ كَانَتْ أُمَّهَاتِ التَّدْرِيسِ فِي الْهِنْدِ، وَمِنْهَا انْتَشَرَتْ مَنَاهِجُ الْحَدِيثِ فِي لَاهُورَ وَسَائِرِ الْأَمْصَارِ.»[30]

"دہلی اور فرنگی محل کے مدارس ہندوستان میں تعلیم کے مراکز تھے، اور انہی سے حدیث کے مناہج لاہور اور دیگر شہروں میں پھیلے۔"

دہلی میں سلاطینِ دہلی کے دور سے مدارس کی ایک زنجیر قائم ہوئی۔ مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

"دہلی میں درسِ حدیث کی روایت بہت قدیم ہے۔ یہاں بخاری و مسلم کے اسفار طلبہ کے لیے معمول تھے۔ بڑے بڑے محدثین نے دہلی کو اپنا مسکن بنایا اور اسے پورے برصغیر کے لیے علمی سرچشمہ بنا دیا۔"[31]

[28] علی بن عثمان الجلابی، تخلص: ہجویری، کشف المحجوب، مطبع نظامی، لاہور، 1911ء، باب معرفت النفس، صفحہ 103

[29] شبلی نعمانی، محمد، تخلص: شبلی، علم الکلام، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1969ء، صفحہ 192

[30] شبلی نعمانی، محمد، تخلص: شبلی، علم الکلام، صفحہ 195

[31] مناظر احسن گیلانی، برصغیر میں اسلامی علوم کی تاریخ، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، 1971ء، جلد 1، صفحہ 210)

خلاصہ تحقیق

مذکورہ بالا تحقیق سے یہ واضح ہے کہ لاہور کی کئی جامعات و مدارس خصوصاً پنجاب یونیورسٹی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی برائے خواتین اور دیگر علمی اداروں نے حدیث کی تدریس کو اسنادی، متنی، اصولی اور تطبیقی زاویوں سے مستحکم کیا ان کے پس منظر میں برصغیر کے قدیم دور کی خدماتِ علوم الحدیث کی ایک طویل داستان ہے۔ اور یہ علوم الحدیث کا فیضان وہاں سے ہوتا ہوا داتا صاحب کے ذریعے لاہور پہنچا اور لاہور برصغیر کے ان شہروں میں شمار ہوتا ہے جنہوں نے اسلام کے ورود کے بعد جلد ہی علمی و دینی مرکز کی حیثیت اختیار کرلی۔ غزنویوں کے دور سے لے کر داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کی آمد اور پھر مغل سلطنت کے استحکام تک، لاہور ہمیشہ علومِ اسلامیہ خصوصاً علوم الحدیث کے فروغ کا گہوارہ رہا۔ انگریزوں کی آمد سے قبل لاہور میں حدیث کی تدریس اور ترویج مختلف جہات سے جاری رہی، اگرچہ ہر دور میں اس کے انداز اور ماحول میں فرق رہا۔ غزنوی دور (999ء– 1186ء) اور لاہور میں علوم الحدیث۔ سلطان محمود غزنوی نے جب ہندوستان میں اسلامی فتوحات کی بنیاد رکھی تو لاہور بھی اسلامی تہذیب کے اہم مراکز میں شامل ہوا۔ اس دور میں یہاں مساجد اور مدارس قائم کیے گئے جہاں قرآن وسنت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ (م 465ھ / 1072ء) غزنوی دور میں لاہور تشریف لائے۔ آپ کی خانقاہ صرف تصوف کا مرکز نہ تھی بلکہ قرآن وحدیث کی تدریس کا گہوارہ بھی تھی۔ مغل دور میں لاہور علمی مراکز میں نمایاں مقام پر پہنچ گیا۔ بادشاہ اکبر، جہانگیر اور شاہجہان کے ادوار میں لاہور میں بڑی مساجد اور مدارس قائم ہوئے۔ مسجد وزیر خان (1634ء) اور شاہی مسجد (بادشاہی مسجد 1673ء) میں حدیث کی باقاعدہ تدریس ہوتی تھی۔ محدثین اور فقہاایران، بخارا اور دہلی سے لاہور آتے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تحریک نے بھی لاہور کے علماء کو متاثر کیا اور حدیثی ذوق میں اضافہ کیا۔ انگریز دور کے آغاز تک (1849ء سے پہلے) سکھوں کے دور (1799ء– 1849ء) میں اگرچہ لاہور سکھ سلطنت کا مرکز تھا، لیکن مسلمانوں کے دینی وعلمی ادارے زوال کا شکار ہو گئے۔ کئی مدارس بند ہوئے۔ علماء کو محدود کر دیا گیا۔ حدیثی تدریس زیادہ تر خانقاہوں اور ذاتی مجالس تک محدود رہی۔ سکھ عہد میں لاہور کے دینی مدارس زوال پذیر ہوئے، لیکن خانقاہ داتا گنج بخش اور چند دیگر خانقاہیں بدستور قرآن وحدیث کی تعلیم کا چراغ روشن رکھے ہوئے تھیں۔ 1849ء میں جب لاہور انگریزوں کے قبضے میں آیا تو علمی ماحول مزید متاثر ہوا۔ انگریز حکومت کے قیام (1849ء) سے پہلے لاہور میں علوم الحدیث کی تاریخ کو کو پروان چڑھایا گیا مگر پھر انگریزوں کے قبضے سے پہلے لاہور میں حدیثی علوم کبھی زوال پذیر تو ہوئے لیکن کبھی منقطع نہ ہوئے۔ اس مسلسل روایت میں حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ کی خانقاہ کو بنیادی حیثیت حاصل رہی، جس نے مشکل ترین ادوار میں بھی علوم الحدیث کی شمع بجھنے نہ دی اور اس ارتقائی سفر میں آج لاہور میں عظیم مدارسِ دینیہ قائم ہیں جن کی تعداد کثیر ہیں جن میں قابلِ ذکر جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، جامعہ اشرفیہ، جامعہ لاہور الاسلامیہ، جامعہ علمیہ ہیں جنہوں نے علومِ حدیث کے ارتقاء میں روایت اور درایت کے حسین امتزاج کو مزید فروغ دیا اور دے رہے ہیں۔

مصادر و مراجع

ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد، المعجم المفہرس، مکتبہ الخانجی، 1995ء۔

ابو الحسن علی ندوی، علی بن عبد الحیٔ الحسنی، تاریخِ دعوت و عزیمت، مجلس تحقیق و نشریاتِ اسلام، 1980ء۔

اشرف علی تھانوی، اشرف علی بن عبد الحق، اشرف الجواب، مکتبہ اشرفیہ، 1932ء۔
امام ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، تذکرۃ الحفاظ، دار الکتب العلمیہ، 1998ء۔
بشیر احمد صدیقی، بشیر احمد، لاہور کا علمی و دینی پس منظر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 2005ء۔
داتا گنج بخش ہجویری، علی بن عثمان الجلابی، کشف المحجوب، مطبع نظامی، 1911ء۔
ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ اکرام، سید محمد اکرام، رودادِ تمدنِ ہند، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 1960ء۔
ڈاکٹر مبارک علی، مبارک علی، لاہور کی علمی تاریخ، سنگ میل پبلیکیشنز، 1992ء۔
ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی، محمد اسلم، مغلیہ عہد میں تعلیمِ اسلامیہ، یونیورسٹی آف پنجاب پریس، 1988ء۔
ڈاکٹر محمد رفیع الدین، محمد رفیع الدین، برصغیر میں تعلیم اسلامیہ کی تاریخ، سنگ میل پبلیکیشنز، 1998ء۔
ڈاکٹر مشتاق احمد، مشتاق احمد، برصغیر میں خانقاہی نظام اور تعلیمات، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 2002ء۔
سید سلمان ندوی، سید سلمان بن عبد الحئی، تاریخِ دعوت و عزیمت، مجلس ترقی ادب،1988ء۔
شبلی نعمانی، محمد شبلی بن حبیب اللہ، المامون اور علوم و فنون، ندوۃ العلماء پبلی کیشنز، 1911ء۔
ضیاء الحسن، ضیاء الحسن، اسلامی تاریخ میں برصغیر کا کردار، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 2001ء۔
عبد الرشید، عبد الرشید، برصغیر میں حدیث کی تاریخ، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 2002ء۔
غلام سرور، غلام سرور، تاریخِ لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، 1996ء۔
مناظر احسن گیلانی، سید مناظر احسن، برصغیر میں اسلامی علوم کی تاریخ، ادارہ معارف اسلامی، 1971ء۔
مولانا حبیب الرحمن کاندھلوی، حبیب الرحمن بن عبد الغفار، برصغیر میں درسِ نظامی کی تاریخ، مکتبہ دار السلام،1970ء۔
مولانا سید محمد عبد الرشید، سید محمد عبد الرشید، مساجدِ لاہور کی علمی تاریخ، مجلس ترقی ادب،1992ء۔
مولانا محمد عبد اللہ، محمد عبد اللہ، تاریخِ لاہور کے مساجد، مجلس ترقی ادب،1985ء۔
مولانا محمد یوسف بنوری، محمد یوسف بن محمد، معارف السنن، ادارہ المعارف،1972ء۔